ڈاکٹر غلام جیلانی برق

اقبال عالمِ بالا میں

(۲)

(اس مضمون کی پہلی قسط المعارف - اقبال نمبر۔ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی تھی)۔

علامہ نے جاوید نامہ میں اپنے آسمانی اور روحانی سفر کی روئداد قلم بند کرتے ہوئے فرمایا کہ بہشت میں حضرت سید علی ہمدانی سے میری ملاقات ہوگئی۔ ان سے میں نے کئی سوالات پوچھے :

سوال : اللہ نے ہمیں طاعت وتعمیل کا حکم دیا تھا۔ لیکن ہمیں بہکانے کے لیے ابلیس بھی پیدا کر دیا۔ پھر خیر و شر کو یوں گڈ مڈ کر دیا کہ کئی افعالِ قبیحہ پر خیر کا گمان ہونے لگا۔

جواب : ایک مردِ خود آگاہ شر سے خیر اور ضرر سے منفعت پیدا کر سکتا ہے۔ ابلیس سے بزم باعثِ وبال ہے۔ اور رزم جمال، تم ایک تلوار ہو۔ اس تلوار کو لا الٰہ کی فساں پر چڑھا کر اتنا تیز کر لو کہ ایک ہی ضرب سے ابلیس کے ٹکڑے اڑ جائیں۔

سوال : اہلِ کشمیر کا جذبۂ آزادی مر چکا ہے۔ ان کی شراب رگِ تاک میں جم گئی ہے۔ اور ان کی محنت سے دوسرے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس کا علاج کیا ہے ؟

جواب : انسان جسم وجان سے مرکب ہے۔ جسم خاک ہے اور جاں جوہر پاک۔ اگر ہم خدائی احکام کی تعمیل میں ڈوب جائیں تو اپنے سوز سے پہاڑوں کو پگھلا سکتے ہیں اور زنداں کی دیواریں ڈھا سکتے ہیں۔

سوال : ہم غریب ہیں اور حکمران ہم سے خراج مانگتا ہے۔ تخت وتاج کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمائیے۔

جواب : دنیا میں حصولِ اقتدار کے لیے یا تو انتخابات سے کام لیا جاتا ہے یا حرب وضرب سے۔ میری رائے یہ ہے کہ صرف دو آدمی خراج لینے کا حق رکھتے ہیں۔ یا تو وہ اولوالامر جو تم میں سے (منکم) ہو۔ اور یا وہ جواں مرد جو آندھی کی طرح اٹھے اور اللہ کے پیغام کو دور دور تک پھیلا دے۔ وہ ہنگامِ جنگ ملک فتح کرے اور صلح میں دلوں کو رام کرے۔

غنی[53] کاشمیری کی صدا

ایک دن جھیل وُلر[54] کی ایک موج دوسری موج سے کہنے لگی۔ ہم کب تک ایک دوسرے سے لڑتی رہیں گی۔ کیوں نہ اُٹھ کر ساحل سے ٹکرائیں۔ ہمارے ایک بچے (دریائے جہلم) کا شور تو کوہ و دمن میں ہے اور وہ اپنی راہ کی تمام چٹانوں کو کاٹتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ لیکن ہم یہاں آرامیدہ ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ساحل کے اندر رہنا گناہ ہے:

اے خنک موجے کہ از ساحل گزشت

(زندہ ہے وہ لہر جو ساحل کو پھلانگ کر بے کراں ہو جائے)۔

اے مردِ ہندی! تیری قوم کی آگ افسردہ نہیں ہوئی۔ ذرا ٹھہرو۔ یہ قوم صُور (کرنا) کے بغیر قبور سے نکلنے والی ہے۔ تمہاری نوا کارواں کے لیے آوازِ جرس ہے۔ اپنے سینے سے وہ آواز نکالو جس کی حرارت سے خشک و تر سب جل جائیں۔

برتری ہری[55]

اقبال بہشت میں نغمہ سرا تھے کہ ایک جانب سے ہندوستان کا فقیر شاعر برتری ہری نمودار ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ شعر میں سوز کہاں سے آتا ہے؟ اپنی خودی سے یا خدا سے؟ کہنے لگا۔ زندگی کی لذت جستجو میں ہے اور شعر کا سوز آرزو میں۔ نوعِ انسانی آئینِ مکافاتِ عمل کی زد میں ہے۔ یہ جنّت یہ جہنم اور یہ اَعراف سب عمل کی تخلیق ہیں۔

نادر[56] شاہ دُرّانی

بہشت کے ایک محل سے نادر شاہ نمودار ہوا اور پوچھنے لگا کہ اے محرمِ اسرارِ ملت! آج کل ایران کس حال میں ہے۔ میں نے کہا کہ ایران کئی امراض میں مبتلا ہو چکا ہے۔ یہ مغرب کی تقلید اور عربوں کی تحقیر کر رہا ہے۔ یہ ملّت سے کٹ کر وطن پرست بن گیا ہے۔ رستم و شاپور[57] سے تو لگا کر حیدرؓ کو بھول گیا ہے۔ ایران دم توڑ رہا تھا کہ صحرائی عربوں نے اُسے تازہ افکار، نئی تہذیب اور ولولۂ تازہ دے کر زندہ کر دیا:

آہ — احسانِ عرب نشناختند
ز آتشِ افرنگیاں بگداختند

احمد شاہ ابدالی[۵۹]

پاس ہی کہیں احمد شاہ ابدالی بھی موجود تھا۔ سامنے آکر کہنے لگا کہ انسان میں تمام انقلابات کا سرچشمہ اس کا دل ہے۔ دل کی موت سے زندگی کی بیداری وتب و تاب ختم ہوجاتی ہے۔ ایشیا ایک جسم ہے اور ملت افغانیہ اس کا دل:

از فسادِ او فسادِ ایشیا

(افغانوں کی تباہی ایشیا کی تباہی ہے)۔

یہ بھی یاد رہے کہ مغرب کی تقلید سے مشرق اپنی خودی اور خود اعتمادی کھو بیٹھے گا۔ یہ بھی کہ مغرب کی قوت چنگ ورباب، دختران بے حجاب کے رقص، موتراشی، خطِ لاطینی اور خاص وضع کے لباس سے نہیں بلکہ ان کے علم وفن سے ہے۔ اور یہ دولت بے پناہ محنت اور انتھک جہاد سے ملتی ہے۔ اور یہ بھی کہ تقدیرِ مشرق رضا شاہ[۶۰] پہلوی اور نادر شاہ کے عزم وحزم سے بدل سکتی ہے۔ تختِ قباد[۶۱] کے اس وارث نے ایران کی مشکلیں آسان کر دیں اور اس راز سے حجاب اٹھا دیا کہ:

تکیہ جز بر خویش کردن کافریست

نادر شاہ، وہ سرمایۂ دُرانیاں اور وہ ملت افغانیاں کا شیرازہ بند، دین و وطن کے غم میں گرفتار رہا۔ وہ سپاہی بھی تھا اور سپہ سالار بھی۔ وہ اعدا کے مقابلے میں فولاد تھا اور بزم یاراں میں حریر و پرنیاں۔ وہ خود شناس بھی تھا اور رموزِ عصر سے آگاہ بھی۔

سلطان ٹیپو[۶۲]

ہماری اس محفل میں سلطان ٹیپو بھی شامل ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میرا اسلام دکن کے دریا کاویری تک پہنچا کر کہنا۔ اے کاویری! تو مجھے فرات و جیحوں سے محبوب تر ہے۔ تیرا میٹھا پانی دکن کے لیے آبِ حیات ہے۔ کہن سال ہونے کے باوجود تیرا شباب قائم ہے۔ تیری موجوں نے اضطراب مجھ سے مستعار لیا ہے۔ سارا مشرق سو رہا تھا تو میں بیدار تھا۔ اے کاویری! میں اور تُو دونوں رودِ حیات کی امواج ہیں۔ یہ کائنات بدل رہی ہے اور زندگی مسلسل انقلاب ہے۔ اور ایک نئے عالم کی تلاش میں ہے۔ راہروِ شاہراہوں سمیت گرمِ سفر ہیں۔ یہ کارواں، یہ دشت و نخیل اور ناقہ سب راہرو ہیں۔ چمن میں پھول کا قیام ایک نفس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اگر جینے کی

آرزو ہے۔ تو شاہین بن کر جیو۔ گیدڑ کے سو برس سے شیر کی زندگی کا ایک لمحہ زیادہ قیمتی ہے۔
زندگی میں دوام و استحکام تسلیم و رضا سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کا بندہ شیر ہے اور موت ایک آہو۔ نیز مقاماتِ حیات میں سے ایک مقام۔ غلام موت کے خوف سے بار بار مرتا ہے لیکن بندۂ آزاد کو موت سے ہر آن نئی زندگی ملتی ہے۔ لحد میں ہمیشہ سلا دینے والی موت دام و دد کی موت ہے۔ مومن کی موت اُسے خاک سے اٹھا کر افلاک پہ پہنچا دیتی ہے اور وہ جستجو کی منزل سے نکل کر کوئے دوست میں جا پہنچتا ہے۔

جنت سے سفر

میں جنت سے چلنے لگا۔ تو حوروں نے مجھے گھیر لیا اور شور مچایا کہ ذرا اور رُک جاؤ۔ میں نے کہا کہ مجھے آگے جانا ہے۔ عشق کے نصیب میں صرف سفر ہے اور وہ مکان و لامکان میں کہیں نہیں ٹھہرتا۔
پھر غل بلند ہوا کہ ہمیں کوئی غزل سناؤ۔ میں نے ایک غزل سنائی۔ جس کے تین شعر یہ ہیں:

به آدمے نه رسیدی خدا چه میجوئی
ز خود گریختهٔ آشنا چه میجوئی

(تم کسی آدمی کو تو پا نہ سکے۔ خدا کو کیسے پاؤ گے تم اپنے آپ سے تو بیگانہ ہو چکے ہو۔ آشنا کہاں ملے گا)

دگر بشاخِ گل آویز و آب و نم درکش
پریده رنگ ز بادِ صبا چه می جوئی

(شاخِ گل کو پکڑ کر اس سے آب و نم حاصل کر لو۔ اے پریدۂ رنگ! تو بادِ صبا سے کیا مانگتا ہے؟)۔

قلندریم و کراماتِ ما جہاں بینی است
ز ما نگاه طلب کیمیا چه می جوئی

(ہم قلندر ہیں اور جہاں بینی ہماری کرامات ہے۔ ہم سے نظر مانگو، کیمیا کو کیا کرو گے؟)۔

تماشائے جمال

میں جنت سے نکل کر سیلِ نور میں تیرنے لگا۔ اور تماشائے جمال میں ڈوب گیا۔ عشق نے روح کو لذتِ دیدار اور زبان کو جرأت گفتار دی۔ میں نے کہا۔ اے اللہ! یہ درست کہ تیری کائنات بہت حسین ہے۔ لیکن بندۂ آزاد کے لیے ناسازگار ہے۔ اسے امیروں اور بادشاہوں نے تباہ کر دیا ہے تیرے

آفتاب کی آستین میں سیاہ راتیں پوشیدہ ہیں۔ مسلمانوں کا پیچھا چار موتیں کر رہی ہیں۔ سُود خوار، والی، مُلّا اور پیر۔ کیا یہ کائنات تیری شان کے مطابق ہے؟۔

اللہ کا جواب

ہم نے تمھیں خلاق بھی بنایا ہے۔ اگر تمھیں یہ دنیا پسند نہیں تو اُسے برہم کر کے نئی دنیا بسا لو۔ زندگی خورد و نوش کا نام نہیں۔ بلکہ تجلیاتِ الٰہیہ سے مستنیر ہونے کا نام ہے۔ زندگی فانی بھی ہے اور باقی بھی۔ خلاقی سے حیات باقی رہتی ہے۔ ورنہ مٹ جاتی ہے۔ حیات کا ماخذ ربِّ حیّ و قیوم کی ذات ہے۔ اس سے رابطہ قائم کرنے کے بعد فرد شانِ ایزدی کا حامل بن جاتا ہے اور جماعت میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ بایزید[13] و شبلی[14] نیز طغرل[15] و سنجر[16] اسی رابطہ کی تخلیق تھے۔ خدائے واحد سے رابطے کا دوسرا نام توحید ہے۔ جب کوئی قوم مستِ توحید ہو جاتی ہے یعنی ہم خیال، ہم مرکز اور ہم نگاہ بن جاتی ہے تو اُسے قوّت و جبروت کا انعام مل جاتا ہے:

وحدتِ افکار و کردار آفریں
تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں

التجا

اے رب! چہرۂ تقدیر سے حجاب اٹھا اور بتا کہ مضطرب مسلمان کی تقدیر کیا ہے؟

جواب

مجھے نورِ شفق رنگ میں کسی کا جلوہ نظر آیا۔ میں کلیم اللہ کی طرح بے ہوش ہو گیا اور ضمیرِ کائنات سے ندا آئی:

"مشرق کے اشتراکی انقلاب اور افرنگ کے سرمایہ دارانہ نظام سے بے نیاز ہو کر گزر جاؤ۔ تم کائنات کے مہرِ منیر ہو۔ یوں جیو کہ ہر ذرّہ تم سے تابانی حاصل کرے۔ میخانۂ یثرب سے جام اٹھاؤ۔ خود پیو اوروں کو بھی پلاؤ اور یوں سب کو اس کیف و سرور میں شامل کر لو۔"

حواشی

[1] سید علی ہمدانی امیر کبیر شاہِ ہمدان، ۱۲ رجب ۷۱۴ھ کو ہمدان میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شہاب الدین تھا۔ ۷۷۴ھ میں تبلیغ اسلام کی خاطر واردِ کشمیر ہوئے۔ چودہ برس کے بعد وطن لوٹ گئے۔ ۷۷۴ھ میں دوبارہ کشمیر آئے۔

۷۸۶ھ میں کابل کی طرف چل دیے اور راہ میں وفات پا گئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی میت ختلان میں پہنچا دی گئی تھی اور اب ان کی قبر ختلان (تاجکستان کی حدود میں) میں ہے۔ کشمیر کے ایک سلطان قطب الدین (۷۸۰ھ - ۷۹۶ھ) نے ان کی یاد میں ایک چوبی مسجد بنوائی تھی - یہ آج بھی سرینگر میں موجود ہے - (سید علی ہمدانی: کتاب الفتوۃ جلد اوّل، لاہور)

۲؎ قرآن میں ہے: اطیعوا اللہ اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم - (تم خدا، اس کے رسول اور اس اولو الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہو)

۳؎ مُلا طاہر غنی (۱۰۴۰ھ - ۱۰۷۹ھ) محلہ علی کدل سرینگر کشمیر کے رہنے والے تھے - دارا شکوہ کے ایک مصاحب ملا محسن فانی کشمیری کے شاگرد اور ایک بلند پایہ شاعر تھے۔

۴؎ جھیل وُلر نہ صرف کشمیر میں بلکہ برعظیم پاک و ہند میں سب سے بڑی طوفانی جھیل سمجھی جاتی ہے۔ یہ سرینگر سے تقریباً چالیس میل دُور، سوپور سے دو میل اور شادی پور سے تین چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سوپور اور شادی پور کے درمیان دریائی راستے سے چودہ میل کا فاصلہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ جھیل ایک طرف سے نو دس میل اور دوسری طرف سے چودہ میل لمبی ہے۔ وُلر کا پانی بعض بعض جگہ اس قدر عمیق ہے کہ اس کی تھاہ کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ دو چار جگہ چشمے بھی پھوٹتے ہیں جن کے حباب پانی کی سطح پر ابلتے اور اٹھتے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ کناروں پر کئی گاؤں آباد ہیں۔ دریائے جہلم اس میں مدغم ہو جاتا ہے مگر اپنی ہستی نہیں کھوتا۔ میلوں تک اس کی رَو چلتی رہتی ہیں۔ لہر سے لہر ٹکراتی ہے اور کشتیوں کا آر پار جانا مشکل ہوتا ہے، بارہ مولا (یعنی براہ مولا) سے دریا نیا جنم لے کر پتھروں سے سر ٹکراتا اور شور مچاتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ وُلر کی متصلہ زمین نہایت زرخیز اور طاقتور ہے۔ وادی لولاب بھی اسی کے قرب و جوار میں واقع ہے جسے مولانا انور شاہ، پیر عبدالغفار شاہ اور آغا حشر کاشمیری کے مولد و منشا ہونے کا فخر حاصل ہے۔ (محمد عبداللہ قریشی)

۵؎ ہندوستان کے ایک راجہ وِکرمادت (تقریباً ۵۷ ق م) کا بڑا بھائی جو اپنی بیوی کی بے وفائی دیکھ کر دنیا سے دل برداشتہ ہو گیا تھا اور تخت و تاج چھوٹے بھائی کے حوالے کر کے خود جنگلوں میں چلا گیا۔ اُجین میں ابھی تک ایک غار موجود ہے۔ جو برتری کی گپھا کے نام سے مشہور ہے۔ اس غار سے ایک زیرِ زمین راستہ بنارس کو جاتا تھا۔ یہ شاعر بھی تھا۔ اس کے اشعار کا انگریزی ترجمہ C.H. TAWNEY نے کیا تھا۔ (عابد علی: تلمیحاتِ اقبال، لاہور ۱۹۵۹ء، ص ۱۹۲)

۶؎ نادر شاہ ایران کے ایک قصبے ابی وَرد میں ۱۱۰۰ھ — ۱۶۸۹ء کو پیدا ہوا۔ جوان ہوا تو دائیں بائیں چھاپے مارنے لگا اور آخر ایشیا بھر پر قابض ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب دولتِ صفویہ (۱۵۰۲ء — ۱۷۳۶ء) کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ چنانچہ ۱۷۳۶ء میں نادر شاہ نے آگے بڑھ کر صفوی تاج و تخت پر قبضہ کر لیا اور سلطنت کی حدود شمال میں

قفقاز اور جنوب میں دریائے سندھ تک بڑھالیں۔ ۱۷۳۸ء میں دہلی میں قتلِ عام کیا۔ ۱۷۴۷ء میں اپنے ہی قبیلے کے ایک آدمی کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اس کے بعد اس کے دو بھتیجے عادل اور ابراہیم پھر اس کا پوتا شاہرخ تخت نشین ہوا۔ اور ۱۷۹۶ء میں یہ خاندان ختم ہوگیا۔ (برق : سلاطینِ اسلام - لاہور، ۱۹۴۸ء، ص ۲۶۹)

۵۷ رستم، قدیم ایرانی داستانوں کا ایک ہیرو یا فرضی کردار جو بروایتے حضرت نوح کا پوتا اور سام کا بیٹا تھا۔ ایک روایت میں اُسے سیستانی بتایا گیا ہے۔ (ذبیح اللہ صفا: حماسہ سرائی در ایران۔ تہران ۱۳۳۴ھ)

۵۸ شاپور، ساسانی خاندان کا ایک فرماں روا تھا۔ جو ۲۴۱ء سے ۲۷۲ء تک حکومت کرتا رہا۔ (سائیکس ہسٹری آف ایران)

۵۹ احمد شاہ ابدالی، نادر شاہ کا ایک سپہ سالار تھا۔ جب نادر شاہ قتل ہوگیا۔ تو احمد شاہ نے سازشی اُمرا کے خلاف لشکر کشی کی لیکن شکست کھا کر قندھار کی طرف پسپا ہوگیا۔ یہاں اس نے پاؤں جمالیے اور رفتہ رفتہ پورے افغانستان کو مسخر کرلیا۔ پھر پنجاب اور دہلی کی طرف بڑھا۔ لیکن مرہٹوں کی کمر توڑنے کے بعد واپس چلا گیا۔ اس نے ۱۷۴۷ء میں آزاد افغانستان کی بنیاد ڈالی تھی۔ جو آج (۱۹۷۷ء) تک زندہ ہے۔ ابدالی نے ۱۷۴۷ء سے ۱۷۷۳ء تک حکومت کی تھی۔
(برق : سلاطینِ اسلام، ص ۳۴۰)

۶۰ ایران کے موجودہ (۱۹۷۷ء) شہنشاہ آریہ مہر سلجوق رضا شاہ پہلوی کے والد جو ۱۸۷۸ء کو ماژندران میں پیدا ہوئے۔ اور جلد یتیم ہوگئے۔ ان کی والدہ انھیں تہران میں لے آئی۔ جہاں یہ جوان ہو کر فوج میں آفیسر بنے۔ جو نیئر کرنل کے منصب تک پہنچے تھے کہ قاچاریوں کی بد نظمی سے تنگ آکر ۱۹۲۳ء میں دارالحکومت پر قبضہ کرلیا اور پارلیمان نے انھیں دو سال بعد (۱۹۲۵ء) مملکت کا سربراہ بنا کر آخری قاچاری بادشاہ احمد شاہ (۱۹۰۸ء - ۱۹۲۵ء) کو معزول کردیا۔ سولہ برس بعد ۱۹۴۱ء میں برطانیہ نے انھیں معزول کر کے جنوبی افریقہ میں جلاوطن کردیا۔ وہاں وہ جلد فوت ہوگئے۔ ان کی میت ۱۹۵۰ء میں ایران میں لاکر دفن کی گئی۔ (شاہکار: اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۱۹۷۶ء - حصہ بستم - ص ۹۰۸)

۶۱ قباد، مشہور ساسانی بادشاہ انوشیروان کا والد۔ جس نے ۴۷۷ء سے ۵۲۰ء تک حکومت کی تھی۔ (سائیکس، تاریخ ایرانِ قدیم)۔

۶۲ میسور کا یہ جواں ہمت فرماں روا حیدر علی کا بیٹا تھا۔ حیدر علی میسور کے راجہ کا سپہ سالار تھا۔ اس کی مقبولیت سے جل کر راجہ نے اُسے گرفتار کرنا چاہا لیکن حیدر علی نے مقابلہ کیا اور ۱۷۶۱ء میں میسور کی ریاست پر قابض ہوگیا۔ ٹیپو کی ولادت غالباً ۱۷۵۱ء میں ہوئی تھی۔ ۱۷۸۲ء میں تخت نشین ہوا اور فرنگی منصوبوں کو ناکام بنانے میں لگ گیا۔ انگریز نے اس کے کئی درباریوں کو خرید کر جاسوسی پہ لگا دیا۔ ان میں مشہور ترین صادق تھا:

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت ننگِ دین ننگِ وطن (اقبال)

بالآخر ۱۷۹۹ء کو ایک جنگ میں سلطان ٹیپو شہید ہو گئے۔ (محمود بنگلوری: سلطنتِ خداداد میسور)۔

۱۳ے بایزیدؒ خراسان کے ایک قصبے بسطام سے تعلق رکھتے تھے۔ عالم بھی تھے اور بلند پایہ صوفی و ولی بھی۔ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ البتہ چار پانچ سو اقوال تذکروں میں ملتے ہیں۔ ولادت ۱۲۸ھ/۷۴۶ء۔ وفات ۲۶۴ھ/۸۷۸ء۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا)۔

۱۴ے شبلی۔ ابوبکر (۹۴۵ء) اصلاً خراسانی تھے اور منصور حلاج (۳۰۹ھ) کے ہم درس۔ آپ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ (تلمیحات، ص ۲۲۲)

۱۵ے طغرل۔ رکن الدین ابوطالب طغرل بیگ، ایران کے مشہور سلسلے سلاجقۂ بزرگ کا پہلا فرمانروا تھا۔ اس سلسلے کا مورثِ اعلیٰ ایک ترکمان سردار سلجوق بن تُقاق تھا۔ جو بخارا میں پہنچ کر اسلام لے آیا۔ اور امرائے بخارا سے مل کر اپنی قوت بڑھالی۔ طغرل، سلجوق کا پوتا تھا۔ اس نے غزنویوں کو شکست دے کر حدودِ سلطنت کو افغانستان کی جنوبی سرحد سے بحیرۂ روم تک پھیلالیا۔ اس نے ۱۰۳۷ء سے ۱۰۶۳ء تک حکومت کی۔ (سلاطینِ اسلام، ص ۱۷)

۱۶ے سنجر (۱۱۱۷ء — ۱۱۵۷ء) سلاجقۂ بزرگ کی آخری کڑی۔

اقبالؒ کا نظریۂ اخلاق

از پروفیسر سعید احمد رفیق

اقبالؒ کے نظامِ فکر میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انھوں نے اخلاقی معیار کو ایک امّ الفضائل کی شکل میں پیش کیا ہے لیکن یہ کہیں ایک مقام پر مربوط اور منضبط طور پر موجود نہیں بلکہ اس کے اجزا منتشر ہیں۔
فاضل مصنف نے نہ صرف اس معیار کی تشریح، اس پر بحث اور اُسے حاصل کرنے میں ایجابی اور سلبی اقدار بلکہ اقبالؒ کے نظریۂ اخلاق کو صراحت سے پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔

صفحات ۲۴۴ قیمت /۵ روپے سستا ایڈیشن ۳/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ:۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور